عائلی کمیشن کی رپورٹ کی حیثیت مولانا احتشام الحق رکن کمیشن کی رائے میں

ایک سابق وزیراعظم پاکستان کی دوسری شادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یار لوگوں نے صنفِ نازک کے "تحفظ" کے لئے جس کمیشن کا تقرر کیا تھا۔ ایک رکن اس کے مولانا احتشام الحق بھی "بنائے" گئے تھے:

"علم و تحقیق" کے ان ٹھیکیداروں اور تجدد و اجتہاد کے مدعیوں نے اپنے اس "ساتھی" سے جو سلوک کیا اس کی داستان اس اختلافی یادداشت سے معلوم کیجئے۔ جسے "قانون" کے ان "عالموں" نے اشاعت سے کافی دیر تک غالباً اس وجہ سے روکے رکھا کہ وہ ارکان کمیشن کے خلاف "سنگین الزامات" پر مشتمل ہے۔

مولانا نے انکشاف فرمایا کہ (ا) کمیشن کی کاروائی "پراسرار" طریقے سے ہوئی۔ (ب) کاروائی کے بعض حصے ریکارڈ میں نہیں لائے (ج) کمیشن کے پہلے صدر مرحوم خلیفہ شجاع الدین کی بعض آراء کو پس پشت ڈال دیا گیا (د) سوالنامہ کی مجوزہ ترتیب، اور اس کے بعد "دیباچہ" کی تصنیف کمیشن کے حدود عمل سے تجاوز ہے (ہ) اہم اجلاسوں میں مولانا موصوف کو شامل کرنے سے عمداً گریز کیا گیا (و) اس رپورٹ میں آیات قرآنی کے معانی بگاڑے گئے ہیں اور حجیت حدیث سے گریز کیا گیا ہے۔

مولانا موصوف کی رائے میں ان وجوہ کی بنا پر یہ رپورٹ اور اسکی سفارشات غیر آئینی ہیں اور اس قابل نہیں کہ انہیں کوئی بھی وقعت دی جائے اس اختلافی یادداشت کا روشن پہلو یہ ہے کہ مولانا احتشام الحق نے حقائق کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ فقہ اسلامی جامد نہیں اور یہ کہ قرآن و حدیث اور موجودہ فقہی ذخیرہ عہد حاضر کے مسائل کو صحیح طریقے سے حل کرنے سے قطعاً قاصر نہیں ہے مولانا موصوف نے باب "اجتہاد کے کھلا رہنے کا" بھی اعتراف فرمایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی ان تصریحات کے بعد دلدادگان تجدد کی یہ عمارت دھڑام سے نیچے گر جاتی ہے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون یہ اختلافی یادداشت جرائد و رسائل میں پوری شائع ہو چکی ہے اس وجہ سے "رحیق" میں ضروری حصے شائع کئے جا رہے ہیں تاہم بحیثیت رکن کمیشن کے رپورٹ سے اختلاف اور اس پر تنقید سب کی سب شریکِ اشاعت ہے اور بخوف طوالت وہ حصہ حذف کر دیا گیا ہے جس کا تعلق ان سوالوں کے جوابات سے ہے جو بقول مولانا مجروح غیر آئینی ہیں (ادارہ)

شادی کمیشن کی رپورٹ کا وہ مسودہ مجھے موصول ہو گیا جو کمیشن کے تین چار اجلاسوں کے بعد ارکین کمیشن کی رائے معلوم کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے۔

غیر آئینی دیباچہ پر شدید احتجاج اس مسودہ کی ابتداء میں ایک طویل دیباچہ بھی ہے جس میں علاوہ اس کے کہ اسلام کے مسلمات اور شریعت اسلامیہ کی بنیادوں کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے اپنی جگہ غیر آئینی اور غیر اصولی بھی ہے اس لئے کہ اس دیباچہ کا ایک حرف بھی ممبران کمیشن کے سامنے زیر بحث نہیں آیا کمیشن کے مشورہ اور اطلاع کے بدون ایک غیر ماہر شریعت کے شخصی اور غیر اسلامی افکار و توہمات کو کمیشن کی رپورٹ کا دیباچہ اور بنیاد قرار دے دینا بہت بڑی زیادتی ہے۔ اور کمیشن کے کاموں میں اب تک

جہاں اور دوسری بے اصولیاں ہوتی رہی ہیں۔ ان میں سے یہ سب سے زیادہ سنگین اور ناقابلِ درگذر ہے۔ بالخصوص اختلافی نوٹ لکھتے وقت نفس مسائل میں اختلاف کرنا اور دیباچہ کے فرضی و مصنوعی اصول سے میرا سکوت اختیار کرنا گویا کہ اختلاف رائے کو غیر معقول اور غیر مؤثر بنانا ہے۔ میں دیباچہ کے غیر اسلامی افکار اور اس کی غیر آئینی حیثیت پر شدید احتجاج کرتا ہوں۔

کمیشن کا قیام اور اسکی غرض و غایت حکومت پاکستان نے ۴ اگست کو ازدواجی اور عائلی امور کے لئے ایک کمیشن کا اعلان کیا جس کی غرض و غایت اور دائرہ عمل یہ تجویز کیا گیا کہ چونکہ موجودہ رائج الوقت ازدواجی اور عائلی قوانین فرنگی دور اور غلامی کے وہ قوانین ہیں جو مسلم اقلیت کو بطور مذہبی تحفظات کے دیئے گئے تھے جن میں سے کچھ تو شریعت اسلامیہ سے پوری مطابقت نہیں رکھتے۔ اور کچھ تحفظ حقوق نسواں کے لئے تشنہ اور نا تمام ہیں۔ اس لئے یہ کمیشن رائج الوقت اور نا تمام قوانین کو شریعت اسلامیہ کے مطابق تبدیل کرنے اور مزید اضافہ کی سفارشات پیش کرنے کا کام کرے گا۔ تاکہ اب ایک آزاد اور اسلامی ملک کی خواتین ایک طرف ان مظالم سے محفوظ ہو سکیں۔ جن میں وہ اب تک گرفتار رہی ہیں۔ اور دوسری طرف سوسائٹی میں اپنا وہ صحیح اور بلند مقام بھی حاصل کر سکیں۔ جو اسلام نے ان کو عطا کیا ہے ظاہر ہے کہ صنفِ مظلوم کی دادرسی اور حقوق نسواں کے تحفظ کے پیشِ نظر یہ مقصد اس قدر اہم تھا کہ تقسیم ہند کے فوراً بعد اس کے لئے کسی مؤثر قدم اٹھانے کی ضرورت تھی بالخصوص اس دردناک عائلی و ازدواجی حالات کے پیشِ نظر جو بڑے پیمانہ پر قتل و غارتگری اور ہجرت کے نتیجے میں پیدا ہوئے اور قانونی تعاون نہ ہونے کی وجہ سے ہزاروں جوان لڑکیوں کی جوانیاں غارت ہو گئیں یا غیر شرعی طریقہ پر وہ لڑکیاں کسی کے گھر میں بیٹھ گئیں۔ اور اب تک بربادی کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ مجھے تحفظ حقوق نسواں کے نام نہاد داروں کی سنگ دلی اور حکومت کی بے حسی پر افسوس ہے۔ کہ ہزارہا بے نوا اور بے مایہ عورتوں اور خاندانوں کی بربادی پر تو ان کا دل نہ پسیجا البتہ ملک کے بعض برسر اقتدار خاندانوں میں "دوسری بیوی" کے مسئلہ پر وہ قیامت خیز ہنگامہ بپا کیا گیا کہ گویا ملک و ملت کا یہی ایک اساسی مسئلہ ہے اور حالانکہ ہمارے ملک کا عام طبقہ بالعموم بغیر ضرورت دوسری بیوی کرنے کو ناپسندیدہ ہی سمجھتا ہے۔

حیرت ہے کہ ہزاروں لاکھوں مظلوم خواتین کی مشکلات پر تو کسی قسم کا جذبہ رحم آج تک پیدا نہ ہوا اور دوسری بیوی کے مسئلہ پر فوراً کمیشن وجود میں آگیا۔ بہر حال یہ اقدام خواہ کتنی ہی تاخیر کے بعد ہو اپنی جگہ نہایت ضروری اور اہم ہے۔

اراکین کمیشن کا موجب حیرت انتخاب لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے رجال کار اور اراکین کمیشن کا انتخاب نہایت مایوس کن بھی ہے اور موجب حیرت بھی۔ شریعت اسلامیہ کے ساتھ اس سے زیادہ بدسلوکی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ کمیشن کے بیشتر افراد جو نہ احکام و قوانین اسلام کا تفصیلی علم رکھتے ہیں اور نہ استنباط قوانین کے کام سے واقف ہیں ان کو شریعت اسلامیہ کے مطابق ازدواجی قوانین کی ترتیب کا اہم فریضہ سونپا گیا مجھے اس سلسلہ میں یہ بھی بتلایا گیا کہ کمیشن کی تشکیل میں بعض اراکین خالص عدالتی اور قانونی تجربہ کی بنا پر شامل کئے گئے ہیں۔ خواتین ممبران موجودہ ازدواجی مشکلات و حالات سے بہ نسبت مردوں کے زیادہ واقفیت کی بنا پر شریک کی گئی ہیں۔ اور صرف ایک رکن شرعی مشورہ کے لئے رکھا گیا ہے بظاہر مختلف صلاحیتوں سے استفادہ میں چنداں مضائقہ نہ تھا مگر کمیشن کے جلسوں میں میرے سوا ہر ممبر نے اپنے آپ کو ماہر شریعت اور مجتہد مطلق کی حیثیت میں پیش کیا اس لئے قرآن و سنت کی خلاف ورزی اور فقہ اسلامی کی تضحیک میں سب یک زبان اور ہموار رہے۔ اور اس کا نام رپورٹ میں "اجماع" رکھ کر شرعی اصطلاح کی مٹی پلید کی گئی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ کمیشن کے ایک رکن جناب عنایت الرحمٰن صاحب کسی اجلاس میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ لہذا تمام رپورٹ لے دے کے پریذیڈنٹ اور سیکرٹری کا کارنامہ رہ جاتا ہے۔

کمیشن کی بے راہ روی کمیشن کا پہلا اجلاس ۵ اکتوبر کو لاہور میں کمیشن کے پہلے صدر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب مرحوم کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں طریق کار پر بحث کی گئی۔ خواتین ممبران کمیشن نے ازدواجی مسائل کے بارے میں استصواب رائے عامہ کی تجویز پیش کی کہ ایک سوال نامہ جاری کیا جائے اور عام پبلک مرد عورتوں سے ان مسائل میں رائے دریافت کی جائے۔

اس تجویز سے میرے اصولی اور بنیادی اختلاف کی بنا پر صدر جلسہ نے استصواب رائے عامہ کی تجویز کو مسترد کر دیا اور مرحوم نے یہ فرمایا کہ ہم اس کمیشن کے دائرہ عمل کے تحت نہ استصواب رائے عامہ کر سکتے ہیں اور نہ شرعی امور میں

رائے عامہ پر عمل ممکن ہے۔ اس لئے کہ کمیشن کو شریعت اسلامیہ کے مطابق سفارشات کا پابند کیا گیا ہے۔

طے شدہ سوال نامہ میں تبدیلی | البتہ اس اجلاس میں ایسے سوالنامہ کی سفارش ضرور کی گئی جو مختلف سوسائٹیوں، خاندانوں اور علاقوں کی خواتین کی رائج الوقت مشکلات کی تفصیلات کا پتہ چلائے تاکہ کمیشن پورے طور پر عورتوں کی مشکلات کا انسداد سوچ سکے لیکن یہ کس قدر حیرت انگیز جرأت رندانہ ہے کہ یہ تجویز نہ کسی منٹ بک میں درج کی گئی اور نہ اس پر کسی کے دستخط لئے گئے۔ بلکہ صدر کمیشن کی اچانک وفات کے بعد کمیشن کے دفتر سے

حجیّت حدیث سے گریز اور ترجمۂ قرآن میں تصرف | ایک ایسا سوال نامہ جاری کیا گیا جس میں نہ صرف یہ کہ شریعت کے ازدواجی مسائل کی بابت عام لوگوں کی رائے معلوم کی گئی بلکہ سوالنامہ کی عبارت میں حجیت حدیث سے گریز کیا گیا اور آیات کے ترجمہ و تفسیر کو توڑ مروڑ کر مطابق مقصد بنانے کی کوشش بھی ہوئی۔

قرارداد کمیشن کی خلاف ورزی | اس گمراہ کن سوالنامہ کے اجرا میں اس قرارداد کی صریح خلاف ورزی کی گئی۔ جو ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین مرحوم کی صدارت میں پاس ہوئی تھی جس کا تذکرہ نہ موجودہ مسودۂ رپورٹ میں ملتا ہے اور نہ کسی منٹ بک میں اس قرارداد کو لکھا گیا ہے۔ ممکن ہے ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین مرحوم کے اپنے فائل میں اس کا ذکر موجود ہو۔

مسائل شریعت میں پبلک سے استصواب رائے اصولاً ناقابل برداشت ہے | پھر اصولی طور پر خالص شرعی مسائل میں پبلک سے استصواب رائے کا طریقہ شریعت اسلامیہ کے ساتھ استخفاف اور اہانت دین کا معاملہ کرنا ہے جس کو کسی طرح برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ شریعت اسلامیہ کے مسائل جو محض مہارت فن اور مہارت علم دین سے متعلق ہیں ہر کہ و مہ سے حتیٰ کہ بعض متفقہ خارج از اسلام فرقوں کے راہنماؤں سے رائے دریافت کرنا دین میں تحریف کی خطرناک راہ کھولنا ہے۔ ڈاکٹری، انجینئری، وکالت میں بھی جو خالص انسانوں کے غیر الہامی اور عقلی علوم ہیں کبھی کوئی معقول شخص استصواب رائے عامہ کو گوارا نہیں کر سکتا۔ تو اللہ کی الہامی کتاب اور قوانین وحی میں استصواب رائے عامہ کی گنجائش نکالنا غیرت دینی اور عقل دونوں کے خلاف ہے۔

سوال نامہ پر احتجاج | چنانچہ اجلاس اوّل کی قرارداد کی صریح خلاف ورزی اور استخفاف دین پر میں

نے ایک احتجاجی خط لکھا جس کا جواب کمیشن کے دفتر سے مجھے موصول نہیں ہوا۔

نئے "مجتہدین" اور ان کی دیانت | ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو کمیشن کے دوسرے صدر سابق چیف جسٹس میاں عبدالرشید مقرر ہوئے اور جیسا کہ کمیشن کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے۔ میاں صاحب موصوف کا تقرر عدالتی اور قانونی تجربہ کی بنیاد پر عمل میں آیا مگر کمیشن کی سفارشات کی ترتیب میں قانونی و عدالتی تجربہ سے زیادہ قرآن میں اجتہاد کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔

کمیشن کا دوسرا اجلاس ۳۰ نومبر کو لاہور میں ہوا جس کے دعوت نامہ کی وصولیابی پر میں نے کمیشن کو بذریعہ خط اطلاع دی کہ وزیر اعظم پاکستان نے ۲۷-۲۸-۲۹ نومبر ۱۹۵۵ء کو آل پارٹیز کشمیر کانفرنس طلب کی ہے جس میں مجھے مدعو کیا گیا ہے۔ اور جس کا آخری اجلاس ۲۹ نومبر کی رات کو ہے اس لئے میں ۳۰ نومبر کی صبح کو کسی طرح شریک نہ ہو سکوں گا۔ براہ مہربانی اس کی تاریخ بڑھا دیجئے۔ خط میں لکھا تاریخ بھی دیا لیکن اجلاس کی تاریخ تبدیل نہ ہوئی اور بالآخر میں اس اجلاس میں شریک نہ ہو سکا۔ یا قصداً شریک نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اصولاً جب سرکاری کمیشن کے بعض افراد کسی دوسری سرکاری مصروفیت میں ہوں تو تاریخ قدرتی طور پر تبدیل کرنا ضروری تھا مگر قصداً ایسا نہیں کیا گیا۔ گویا کہ اس کمیشن کو اپنے مقصد کے لئے شروع ہی سے نہ شرعی رائے کی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ کسی رائے دینے والے کی۔ اس لئے کہ کمیشن کے تمام ممبران اپنے آپ کو کتاب و سنت کا صحیح ترجمان اور مجتہد مطلق سمجھتے تھے۔ میری رائے میں کمیشن کا یہ دوسرا اجلاس جس میں مجھے دیدہ و دانستہ نظر انداز کیا گیا بالکل غیر آئینی ہے۔ پھر طرفہ یہ کہ دیباچے میں اس سوالنامہ کو مفصل بحث کے بعد متفقہ طور پر طے شدہ قرار دیا گیا ہے۔

تصنیف و دیباچہ کی غرض | مسودۂ رپورٹ کا دیباچہ جس کے متعلق ابتدا میں اظہار رائے کیا جا چکا ہے اور جو در اصل غیر شرعی سفارشات کی گنجائش پیدا کرنے کی ایک فرضی تمہید ہے اس میں تشکیل کمیشن کا ذکر کرتے ہوئے بظاہر اس کا اعتراف کیا ہے کہ "دستوری قرارداد مقاصد" کی صراحت کے عین مطابق کمیشن کی سفارشات کا ماخذ بھی قرآن کریم اور سنت نبوی ہے مگر یہ اعتراف بھی محض ایک فریب ہے۔ ماخذ قولاً انہیں قرار دینے کی صحیح کسوٹی یہ ہے کہ استخراج اور استنباط مطالب میں استنباط کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یا شخصی رجحان اور

ذاتی فہم کو معیار قرار دیا گیا ہے۔

فقہ اور اجتہاد کی تعریف استخراج معانی اور استنباط احکام میں اصول و قواعد کو ملحوظ رکھنے کا نام دراصل فقہ ہے اور جزئیات سے کلیات بنانا اور اصول و قواعد مدون کرنے کا نام اجتہاد ہے۔ اور جزئیات سے کلیات بنانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک قرآن و سنت کے احکام کی تمام جزئیات مستحضر نہ ہوں اور جنہیں قرآن و سنت کے ایک جزئیہ کا بھی صحیح علم نہ ہو۔ ان کا کلیات بنانا اور پھر نتائج اخذ کرنا صریح گمراہی اور جہل مرکب ہے۔ ہمارے کمیشن کے افراد جو خوش کن الفاظ میں قرآن و سنت کو ماخذ تسلیم کرنے میں پیش پیش ہیں نہ جزئیات سے کلیات بنا کر موجودہ اصول فقہ سے صرف نظر کرکے اصول و قواعد مرتب کرنے کا اعجاز دکھانے کو تیار ہیں۔ اور نہ مرتب شدہ اصول فقہ کو دلیل راہ بنانے پر آمادہ نظر آتے ہیں

اللہ کے دین کو مسخ کرنے کی کوشش تو ظاہر ہے قوانین و احکام کے استنباط میں صرف ذاتی و شخصی رجحان کو معیار قرار دینا فقہ ہے نہ اجتہاد بلکہ اللہ کے دین کو مسخ کرنا اور بدترین قسم کی گمراہی ہے چنانچہ کمیشن کی کارکردگی میں مفسرین و فقہائے امت سے معاندانہ انداز میں گریز کرنے کے باوجود کمیشن کا کوئی ممبر بھی فخر الدین رازی اور ابو حنیفہ کی جگہ نہ لے سکا۔ یہی وجہ ہے کہ کمیشن کی وہ "سفارشات" جو چند ممبران کی یورپ پسندی اور اسلام بیزاری کی آئینہ دار ہیں۔ قرآن و سنت کو مسخ کرکے فرنگیت پر چسپاں کرنے کی ایک مکروہ کوشش ہے۔

دائرہ عمل سے باہر قدم رکھا اس دیباچہ میں کمیشن کی ضرورت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ فقہ اسلامی کی تاریخ اور موجودہ حالات کا جائزہ لینے سے کمیشن کے قیام کی ضرورت کا اندازہ ہو جائے گا جہاں تک حالات کا تعلق ہے یہ صحیح ہے کہ اب مسلم خواتین کے لیے ان تمام ازدواجی قوانین میں اصلاح و ترمیم کی ضرورت ہے۔ جو فرنگی دور غلامی میں مسلم خواتین کو تحفظات حقوق مذہبی کے طور پر غلط اور ناتمام شکل میں دیئے گئے تھے۔ جس کا اظہار میں نے اختلافی نوٹ کی تمہید میں بھی کیا ہے۔ لیکن اس موقع پر فقہ اسلامی کی تاریخ کا ذکر بالکل بے جوڑ بات ہے اس لئے کہ شادی کمیشن کا قیام، فقہ اسلامی کو از سر نو مرتب و مدون کرنے کے لیے وجود میں نہیں آیا۔ اور نہ کمیشن کا یہ دائرہ عمل ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے

لہذا دائرۂ عمل سے باہر قدم رکھنا نہ صرف یہ کہ بے اصولی بات ہے بلکہ دائرۂ عمل کے مجوزہ کام اور اصل مقصود کو بھی فوت کر دیتا ہے۔

علاوہ ازیں نئے آئین کی رُو سے پاکستان کے تمام مروجہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق کرنے کے لئے ابھی ایک کمیشن بیٹھنا ہے۔ عائلی اور ازدواجی قوانین بھی اس میں شامل ہوں گے۔ ہمارے کمیشن نے بے وجہ وہ کام بھی اپنے ذمے لے لیا۔

کیا قرآن و سنت کے احکام اسی دور کیلئے خاص تھے رپورٹ کے دیباچہ میں کمیشن کے ذاتی اجتہاد کا جواز پیدا کرنے کے لئے قرآن و سنت کے احکام پر یہ لکھا گیا ہے "قرآن کریم اور حدیث رسول اپنے زمانۂ نزول کے پیدا شدہ واقعات اور پیش آمدہ سوالات کی ترجمانی اور تصویر ہے اور چونکہ ہر دور اور ہر زمانہ کے انسانی مراسم اور واقعات کی مختلف نوعیتوں کا اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لئے پیغمبر اسلام نے اپنے معاصرین کے لئے قرآن و حدیث کے باوجود آزادانہ قانون سازی اور عدالت پردازی کا ایک بڑا وسیع میدان چھوڑا ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے اجتہاد کی جس پر قرآن و سنت کے دائرہ میں رہ کر عمل کیا جاتا ہے۔

جہل و نادانی کی انتہاء حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ جو حضرات اللہ تعالےٰ اور اس کی شان نبوت و رسالت اور دین کی جامعیت کے ابتدائی مسائل سے یکسر نابلد ہوں وہ ان موضوعات پر نہایت بے باکانہ طریقہ سے قلم اٹھانے کی جسارت کیسے کرتے ہیں۔ شاید ہمارے دیباچہ نویس کو معلوم نہیں کہ قرآن اس ذات پاک کا کلام ہے اور اس کی دی ہوئی ہدایت ہے جس کو ازل سے ابد تک ہر دور اور ہر زمانہ کے ایک ایک جزئی واقعات کا تفصیلی علم ہے اور اس کو انسانی مراسم و تعلقات کی ان تمام گونا گون نوعیتوں کی خبر ہے جو مستقبل کے کسی دور اور کسی زمانہ میں ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔ تو اس کی طرف سے نازل کردہ قرآن یا اس کی جانب سے بھیجا ہوا رسول اور اس کی الہامی زندگی یہ سب امور اس حقیقت پر مبنی ہیں کہ قیام قیامت تک عالم میں جس قدر واقعات کی بوقلمونیاں ظاہر ہوں گی۔ ان سب کے لئے کتاب و سنت کی تعلیمات و احکام ناطق "دلیل راہ" اور قول فیصل ہیں — اور یہی اسلام کا بنیادی عقیدہ

ہے۔ جس کی بنا پر یہ دین ابدی ہے اور اگر زمانۂ نزول قرآن یا عہد حیات نبوی کے واقعات و مراسم تک قرآن و سنت کی نظر محدود ہوتی تو پھر قرآن و سنت کو اللہ کی وحی اور دینِ اسلام کو اللہ کا دین کہنا بے معنی ہوگا۔ بلکہ قرآن و سنت کو شخصی تصنیف و تالیف کہنا بہتر ہوگا۔ کہ جس کی بصیرت اپنے دور سے آگے نہ بڑھ سکی۔ کیسے باور کیا جائے کہ قرآن و سنت جو اسلام کی نظر میں حق تعالےٰ کی وحی ہے ہونے والے واقعات کی نوعیت سے لاعلم ہونے کی وجہ سے جامع اور حاوی نہیں ہے اور اگر بالفرض زمانہ نزول کے بعد کے حالات کی بابت تشنگی کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" کے اعلانِ خداوندی کے کیا معنی ہوں گے۔ کیا دیباچہ نویس صاحب اس کا یہ ترجمہ کریں گے کہ اے عہد نزول کے مسلمانوں تمہارے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے دین مکمل ہو گیا۔ باقی آنے والے حالات کے اعتبار سے نامکمل ہے اور اس کی تکمیل تم کمیشنوں کے ذریعہ سے کر لینا۔ اور پھر وہ کون سا آزادانہ قانون سازی اور عدالت پردازی کا وسیع میدان تھا جو کتاب و سنت کی موجودگی کے باوجود صحابہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا۔ جس کا ذکر صاحبِ دیباچہ نے کیا ہے۔

ایک حدیث سے غلط استدلال | غالباً دیباچہ نگار کا اشارہ معاذ بن جبل کی اس حدیث کی طرف ہے جس میں حضور نے ان کو یمن کا امیر بناتے وقت یہ دریافت فرمایا تھا کہ تم مقدمات کا فیصلہ کس طرح کرو گے جواب دیا کہ کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ اگر کتاب اللہ میں اس کی صراحت نہ ہوئی تو حدیثِ رسول سے اور اگر حدیثِ رسول میں بھی کوئی صراحت نہ ملی تو پھر اجتہاد کروں گا۔ معاذ بن جبل کی اس حدیث کو ہمارے دیباچہ نگار نے اپنے اجتہاد کی بنیاد بنانے کے لئے نقل کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن و سنت میں کوئی صریح حکم نہ ملے تو عقل اور نجی رائے سے کام لیا جائے۔ سو جہاں تک اس حدیث اور واقعہ کا تعلق ہے یہ حدیث بھی صحیح ہے اور یہ واقعہ بھی صحیح۔ لیکن آزادانہ قانون سازی اور آزادانہ عدالتی فیصلوں کا میدان اس حدیث سے کیسے نکل سکتا ہے جب کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن و سنت سے مجھے حکم ملے گا تو میں اجتہاد نہ کروں گا۔ بلکہ اس کا پابند ہو کر فیصلہ دوں گا اور اگر کسی امر میں قرآن و سنت کی صراحت یا ہدایت نہ ملی تو پھر میں اجتہاد کروں گا۔

صحیح اجتہاد کا معیار یعنی غور و فکر سے وہ پہلو اختیار کروں گا جو معقول بھی ہو اور قرآن وسنت کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو۔ ورنہ پھر تو قرآن وسنت کی خلاف ورزی ہوگی اطاعت نہ ہوگی۔ حالانکہ اپنے ہی کلام میں قرآن وسنت کی جزئیات کی پابندی کا اقرار کر چکے ہیں۔ اس سے دو باتیں واضح ہو گئیں ایک یہ کہ جہاں کتاب وسنت کا صریح حکم موجود ہو وہاں اجتہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اجتہاد وہی معتبر ہے جو قرآن وسنت کی روشنی میں کیا گیا ہو۔ وہ اجتہاد معتبر نہیں جو کتاب وسنت کو چھوڑ کر محض عقل انسانی کے بھروسہ پر کیا جائے کیونکہ قرآن وسنت عقل کے لیئے روشنی ہے اور عقل قرآن و سنت کے لیئے روشنی نہیں ہے۔ دیباچہ نگار کے اجتہاد اور معاذ بن جبل کے اجتہاد میں یہی بنیادی فرق ہے کہ وہ عقل کے فیصلوں کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھتے تھے اور دیباچہ نگار قرآن وسنت کے احکام کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ معاذ بن جبل کی عقل قرآن وسنت کی فرمانبردار کنیز تھی اور دیباچہ نگار کی رائے میں شریعت عقل کی کنیز ہے۔

بہ خرد راہ عشق مے جوئی   بہ چراغ آفتاب مے جوئی

صحابہ کرام کے اجتہاد صحابہ کرام نے جب کبھی اجتہاد کیا اور عدالتی فیصلہ دیا تو اس کی بنیاد قرآن و سنت کے کسی جزئیہ کو ضرور قرار دیا ہے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے کبھی ایسا آزادانہ اجتہاد نہیں کیا جس کی کچھ نہ کچھ اصل کتاب وسنت سے نہ ملتی ہو۔

تفاوت راہ پھر دیباچہ نگار جو معاذ بن جبل کے اجتہاد سے استدلال کر کے کمیشن کے اجتہاد کو درست قرار دینے کی فکر میں ہیں ان کو یہ معلوم نہیں کہ معاذ بن جبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھائے ہوئے وہ عالم شریعت ہیں جن کو سفر و حضر میں حضور نے علوم شرعیہ سکھلائے اور جب یمن بھیجا تو اہل یمن کو یہ لکھا انی بعثت الیکم خیر اھلی یعنی اپنے لوگوں میں سے بہترین شخص کو بھیج رہا ہوں۔ بھلا بتایئے جس میں اتنی بھی صلاحیت اجتہاد موجود نہیں کہ وہ معاذ بن جبل اور اپنی صلاحیتوں کا صحیح موازنہ نہ کر سکے وہ قرآن وسنت میں اجتہاد کیا کر سکتا ہے رپورٹ کے دیباچہ میں اجتہاد کی وہ حدیث نقل فرمائی کہ جس میں اجتہاد کا عمل کتاب وسنت کے تحت میں اور مجتہد کی شان خیر اھلی کی شکل میں تھی لیکن رپورٹ

کے مسائل میں ایسا اجتہاد پیش کیا گیا کہ قرآن و سنت کی صراحت یا ہدایت ہوتے ہوئے بھی ان سے گریز کیا گیا اور مجتہد وہ ہیں جو دین کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

قرآن و سنت کے احکام ہر زمانہ میں ناطق ہیں اسلام کے عقیدہ میں قرآن و سنت کے احکام خواہ اصولی ہدایت کی شکل میں ہوں اور خواہ جزئی قانون کی صورت میں نزول کے وقت سے قیامت تک ہر دور اور ہر زمانے کے لئے ناطق اور قولِ فیصل ہیں۔ حالات و واقعات کی تبدیلی سے حقائق نہیں بدلے جاتے بلکہ حقائق کی بنیادوں پر حالات و واقعات کا رُخ تبدیل کیا جاتا ہے اور دراصل اسلام اس حقیقی عزم کا نام ہے

اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے لیکن جو اس کا اہل ہو رہے وہ جزئی حوادث جو آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے، اس پر قرآن و سنت کے حقائق اور احکام کے پیشِ نظر شریعت کا حکم لگایا جاتا رہا ہے۔ اور لگایا جاتا رہے گا۔ اس کا نام شریعت کی اصطلاح میں "قیاس" ہے۔ نہ اس کا دروازہ بند ہوا ہے اور نہ کبھی بند ہوگا۔ البتہ "قیاس" کا حق بھی صرف وہی شخص رکھتا ہے جس کی نظر میں قرآن و سنت کے حقائق اور ابدی احکام مستحضر ہوں ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں اس قسم کا قیاس نہ کر لیا جائے جو شریعت کے کسی حکم کے خلاف اور اس سے متصادم ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیاس بھی شریعت کی دلیل ہے۔ جو پیدا شدہ حالات و واقعات پر شرعی حکم بھی ظاہر کرتی ہے اور خود کتاب و سنت کی حدود و احکام کی پابند بھی ہے۔

غیر متعلق اور فتنہ انگیز بحثیں دیباچہ میں لفظ اجتہاد کی تشریح کرتے ہوئے اجتہاد کے جو تین درجے قائم کئے گئے اور ان میں سے "قانون سازی میں مکمل اختیار" والی قسم کو سنیوں میں نظری طور پر اور شیعہ میں عملی طور پر بیان کیا گیا۔ ہمارے لئے انتہائی باعثِ تعجب اور موجبِ حیرت ہے کہ کمیشن کے حدودِ عمل کو توڑ کر اس قسم کی غیر متعلق فرقہ وارانہ اور فتنہ انگیز بحثوں میں الجھنا کون سی ملکی و قومی یا طبقہ نسواں کی مفید خدمت ہے اور اس وقت اس تحقیق کی کمیشن کو کیا ضرورت پیش آئی۔ "قانون سازی میں مکمل اختیار" والے اجتہاد کی کوئی قسم ہمارے یہاں نہ نظری طور پر متصور ہے اور نہ عملی طور پر۔

قانون سازی صرف اللہ تعالےٰ کا حق ہے، آنحضرت شارح ہیں قانون سازی کا اختیار بجز حق تعالےٰ

کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حلال و حرام کی حدود خود قائم نہیں فرماتے بلکہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدود کی خبر دیتے ہیں اور ان حدود کی تفصیلات و تشریحات فرماتے ہیں یہ تفصیلات و تشریحات بھی چونکہ بذریعہ وحی ہوتی ہیں۔ اس لیے متن قانون کی تشریحات بھی قانون ہی کے حکم میں ہیں اور اسلام کی نظر میں متن قانون اور اس کی جملہ تشریحات دونوں کی عملی حیثیت ایک ہے کہ دونوں واجب العمل ہیں۔ دونوں کا چھوڑنا فسق ہے اور دونوں کا انکار کفر ہے ہمارے یہاں جب حق تشریع صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہے تو پھر اجتہاد کی کوئی ایسی قسم قرار دینا جس میں مجتہد کو قانون سازی کا مکمل اختیار ہو نہ صرف دین سے ناواقفیت ہے بلکہ عقلاً مضحکہ خیز بھی ہے۔

اور اگرچہ دیباچہ نگار کی مراد "قانون سازی میں مکمل اختیار" والے اجتہاد سے وہ "اجتہاد مطلق" ہے جو امام ابوحنیفہ اور امام مالک جیسے مجتہدوں کو حاصل تھا تو ان کو سمجھنا چاہیئے کہ "اجتہاد مطلق" اور "اجتہاد مقید" فقہی اصطلاح ہے۔ اجتہاد مطلق سے مطلق العنان مراد نہیں کہ مجتہد کو قانون ساز مانا جائے۔ اور قانون سازی میں مکمل اختیار والا کہا جائے۔

آئمہ مجتہدین قانون ساز نہیں بلکہ جج تھے۔ چنانچہ مدون شدہ اصول و قواعد میں سے چار مکاتیب فکر مشہور ہیں۔ لیکن آئمہ مجتہدین کی تحقیقات کی حیثیت ہائی کورٹ کے ججوں کے فیصلوں کی حیثیت ہے۔ قانون سازی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح ہائی کورٹس کے فیصلے باہم مختلف اور متضاد ہونے کے باوجود قانونی دائرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح فقہاء مجتہدین کے فیصلے بھی دراصل ماہرین قانونِ شریعت کے فیصلے ہیں۔ جن کو "نظائر" کہا جاتا ہے۔ اور باہم مختلف ہونے کے باوجود شریعت ہی کے دائرہ میں شمار ہوں گے گویا قانون کی اصطلاح میں قرآن کریم "متن قانون" ہے اور "حدیث" تشریحاتِ قانون اور مجتہدین کی فقہی تحقیقات فیصلہ کے وہ نظائر ہیں جو صرف مستند جج ہی دے سکتے ہیں۔ غیر مستند جج کا فیصلہ بطور نظیر کے کبھی عدالت میں محفوظ نہیں رکھا جاتا۔ اگر ہمارے دیباچہ نگار کو اجتہاد کا شوق ہے تو چاروں فقیہ کے مکاتب فکر سے الگ اپنا اصول فقہ مرتب کریں جس میں استنباط احکام کے اصول و قواعد مقرر کئے گئے ہوں اگر وہ ایسا کرنے پر قادر ہو گئے تو ہم چار مسالک فقہ کے علاوہ پانچواں مسلک بھی قبول

کرنے کو تیار ہو جائیں گے مگر بغیر اصول و قواعد کے استنباط احکام کرنا گمراہی و ہوا پرستی ہے۔ دیباچہ نگار ہوا پرستی کو اجتہاد کا نام دینا چاہتے ہیں جو کبھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ اقبالؒ کا بیجا استعمال

دیباچہ نگار کو معلوم نہیں کہ اجتہاد مطلق تو بڑی بات ہے۔ آج اجتہاد کی اس قسم کو اختیار کرنا بھی آپ کے بس کی بات نہیں ہے جس کو "قیاس" کہتے ہیں۔ اور جو قیام قیامت تک جاری رہے گی۔ علامہ اقبال مرحوم کے خطبات سے اجتہاد کے متعلق جو اقتباس دیا گیا ہے وہ بھی اسی اجتہاد مقید یعنی قیاس کے بارے میں ہے۔ اس خیال کے باوجود بھی علامہ اقبال مرحوم کم نظر عالموں کے اجتہاد سے اجتناب کا مشورہ دیتے ہیں ؎

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر ـــ اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

مغرب زدگی

ظاہر ہے کہ اراکینِ کمیشن عالموں کی صف میں بھی نہیں آ سکتے کم نظری یا بالغ نظری کا مرحلہ تو بعد میں آتا ہے۔ فقہ اسلامی کے بارے میں جمود پیدا ہونے کا الزام صرف اس فرنگی مقلد طبقہ کا تراشا ہوا الزام ہے جو اپنے اندر بے دینی کی رَو کو روکنے یا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں پاتا۔ بلکہ اس رَو میں بہہ کر اسلام کو سیلاب کے رُخ پر ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ تا کہ اسلام سمتِ مخالف میں رہ کر بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کر سکے۔

فقہ اسلامی جامد نہیں

ورنہ فقہ اسلامی میں نہ اب جمود ہے اور نہ کبھی پہلے تھا۔ اور نہ اس کو کمیشنوں کے اجتہاد کی ضرورت، فقہ اسلامی میں ترقی کا راستہ "قیاس" ہے جس کے ذریعہ ہر صدی کے حوادث و واقعات فقہی جزئیات میں داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں اور فقہ کی تاریخ اس کی ترقی پر شاہد ہے انیسویں صدی کا وسط جب کہ آپ کی معلومات کی بنا پر اسلام کٹر پن اور فرسودہ مذہب سے تعبیر کیا جانے لگا عین وہ زمانہ ہے جب انگریزوں نے کالجوں و یونیورسٹیوں کی تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام سے نفرت اور بیزاری پیدا کی اور آج مسلمانوں میں صرف وہی افراد اس خیال کو دہراتے ہیں جو ہندوستانی و پاکستانی ہونے کے باوجود دل و دماغ سے اب بھی انگریز ہیں۔ اور وہ درحقیقت قومی حمیت و دینی غیرت کھو چکے ہیں۔ صرف آقایانِ سفید فام کی نقالی ہی ان کا سرمایۂ افتخار ہے ؎

انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی
انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

دورِ تجدد میں عورت کی حیثیت دورِ "فرسودگی" میں خواتینِ اسلام کی جو عزت و حرمت قائم تھی آج تجدد کے دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تجدد نے عورت کو آلۂ ہوس رانی سے زیادہ کبھی حیثیت نہیں دی۔ رہی یہ بات کہ اجتہاد کے لیئے ایسی شرطیں لگا دی گئی ہیں جن کا پایا جانا ایک فرد میں ممکن نہیں ہے اور دیباچہ نگار کی رائے میں اس قدغن نے اسلام میں جمود پیدا کیا ہے۔ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جو شخصیتیں آپ کی رائے میں بھی مکمل اجتہاد کی حامل تھیں آیا ان میں بھی یہ اجتہاد اوصاف موجود تھے یا نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی رائے میں بھی وہ شرائط ضرور موجود ہوں گی جبھی تو آپ ان کے کامل اجتہاد کے قائل ہیں۔ پھر جب اس عالم میں ایسی شخصیتیں گذر چکی ہیں جو ان اوصاف کی حامل نہیں تو لفظ ناممکن استعمال کرنا کہاں تک صحیح ہے۔ جس کمال کی ایک دو نہیں متعدد نظیریں موجود ہوں وہ "ناممکن" دیباچہ نگار کی لغت میں ہوگا۔ دنیا اسے کبھی ناممکن نہ کہے گی۔

مضحکہ خیز استدلال اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد ثم اخطأ فلہ اجر۔" سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جج اور جمہور سب آزادانہ اپنی رائے کو استعمال کریں نہایت طفلانہ اور مضحکہ خیز ہے اس لیئے کہ لفظ حاکم اول تو اس بات کا ضامن ہے کہ وہ خود ہی صاحبِ نظر اور ماہر شریعت عالم ہوگا۔ گویا اجتہاد کا محل ماہر شریعت ہو پھر اس ارشادِ نبوی سے ان ججوں کی آزادئ رائے سے کیا سروکار ہے جن کو دین کی ابجد بھی معلوم نہیں دوسرے یہ کہ فلہ اجران کا لفظ خود یہ بتلا رہا ہے کہ وہ صواب و خطا جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ آخرت میں خطا و صواب کا انکشاف ہے جو محل اجر ہے۔ دنیا میں تو اس پر عین صواب ہی کا حکم ہوگا۔ ورنہ کیا مدعی یا مدعا علیہ کو اس حدیث کی بنا پر یہ حق ہوگا کہ وہ حاکم سے کہے کہ ممکن ہے آپ نے فیصلہ میں خطا کی ہو اور اس بنا پر نفاذِ حکم ملتوی کر دیا جائے ظاہر ہے کہ حاکم یہ کہے گا کہ میرے اجتہاد میں تو یہ عین ثواب ہے اور اس کا نفاذ لازمی ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ علم باری میں یہ فیصلہ خطا ہو۔ تب بھی انکشاف خطا کے دن میرا اجر مجھے ملے گا۔ اور وہ اس حسن نیت

کی بنا پر کہ میرا قصد صواب کا پہلو اختیار کرنے کا تھا جس کا علم اللہ کو ہے۔ اس حدیث میں جس خطا و صواب کا ذکر ہے وہ وہ نہیں ہے جس پر کوئی اور شخص محض اس بنا پر اپیل کر دے کہ اس فیصلہ میں حدیث کی رُو سے احتمالِ خطا بھی ہے۔ اس لئے دوسرا حاکم فیصلہ کرے۔ تیسری بات یہ ہے کہ استنباطِ احکام یعنی قانون سازی الگ چیز ہے اور قضا و فیصلہ دوسری چیز ہے۔ قانون سازی میں قانون کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ اور قضا میں واقعات کی نوعیت سے جزئیات قانون کی مطابقت پر نظر ہوتی ہے اور مطابقت کا مسئلہ خالص فراست کا مسئلہ ہے۔

حاصل یہ کہ جس قسم کے اجتہاد اور خطا و صواب کا ذکر ہے اس کا دیباچہ نگار کے اجتہاد اور خطا و صواب سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور جہاں دو اجر اور ایک اجر کی خبر سے آزادئ رائے کا نتیجہ نکالا گیا ہے وہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اگر کسی غیر حاکم نے اجتہاد کیا اور درست کیا تو اس پر ایک جرم ہے کہ اس نے وہ کام کیا جس کا یہ مجاز نہ تھا۔ اور اگر غیر حاکم کے اجتہاد میں خطا ہوئی تو دو جرم ہوئے ایک غیر مجاز ہونے کا دوسرا ناانصافی کا۔

علیٰ ہذا امام ابو حنیفہ یا امام مالک نے اپنے تلامذہ سے جو کچھ فرمایا اس کا محمل بھی یہ ہے کہ اس کے مخاطب ماہرینِ شریعت حامل اجتہاد شخصیتیں ہیں کمیشن کے افراد یا دیباچہ نگار نہیں ہیں اور جس خطا کا ذکر ہے وہ وہ ہے جو علم باری میں ہے ورنہ مجتہد کو اپنی رائے پر صواب کا جزم ہوتا ہے۔

ائمہ کے اس قول سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد میں مخلص تھے۔ نہ ایک کے دل میں دوسرے کی پیروی کی خواہش تھی۔ اور نہ ہی فقہ اسلامی کسی سازباز اور گٹھ جوڑ سے تیار ہوا ہے۔

سلف کے اختلاف کی نوعیت اور یہ بھی واضح رہے کہ تلامذہ اور معاصرین کا اختلاف اس نوعیت کا نہیں تھا۔ کہ چونکہ استاد نے غلط رائے قائم کی ہے اس لئے میں اس کی صحیح صورت پیش کرتا ہوں بلکہ وہ اختلاف فہم معانی کا اختلاف ہے یعنی میں استاد کی بات کو یا معاصر کی بات کو لغزش یا غلطی نہیں تصور کرتا۔ بلکہ میری فہم نے میرے سامنے یہ صورت پیش کی ہے۔ حاصل یہ کہ مجتہدین کا اختلاف

کسی کی مخالفت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اپنی صوابدید پر ہے۔ تو تلامذہ اور معاصرین کے اختلاف سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ بھی آئمہ کی مخالفت میں آزاد تھے۔ تو ہم بھی ان کی مخالفت میں قدم اٹھائیں بالکل مضحکہ خیز ہے۔ ہو سکے تو ہم بھی ابو یوسف اور ثوری بن جائیں۔ اور پھر ابو حنیفہ کے اصول فقہ کو چھوڑ کر اپنے مدون شدہ اصول فقہ سے اجتہاد کریں۔ مگر اس کے لیئے

این قدر باش کہ عنقا ز سفر باز آید

دیباچہ نگار کی رائے میں مسلمانوں کی پستی کا سبب دیباچہ نگار نے فرض اور خود تراشیدہ جمود اسلام کا الزام لگاتے ہوئے اس کو مسلمانوں کی پستی کا سبب بتایا ہے اور لکھا ہے کہ پچھلی تین صدیوں سے تمام دنیا کے مسلمان طبقاتی۔ سیاسی۔ معاشی اور ثقافتی اعتبار سے ترقی کی تیز رفتار دوڑ میں پیچھے رہے ہیں اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان بدلتے ہوئے حقائق کے پیش نظر نئے عوامل کی قدر شناسی کے لیئے تیار نہیں ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ دیباچہ نگار ترقی و تنزل اور معاشی و سیاسی اور ثقافتی وغیرہ جتنے الفاظ بھی ایک سانس میں بول گئے ہیں۔ خود ان الفاظ کی حقیقت بھی شاید ان کے ذہن میں نہیں ہے۔ اس لیئے حقیقت حال کا اظہار ضروری ہے۔

تجدد پسندوں کے الزامات آخر کی یہ تین صدیاں بدقسمتی سے مسلمانوں کی تاریخ کا وہ دور ہے۔ جب امراء و سلاطین نے ہوا پرستی کی خاطر دین اور احکام دین کو اپنی باندی بنالیا۔ یا اجنبی اقتدار نے معاش کے لالچ میں خود مسلمانوں کے ایک گروہ کو اسلام کے خلاف بیزاری پیدا کرنے کے لیئے کھڑا کر دیا۔ ہندوستان میں تسوب زدہ لوگوں کی جماعت نے جب سے ہوا پرستی کو دین پر مسلط کرنے کی کوشش کی اور وہ اپنے منصوبہ کی حد تک کامیاب نہ ہوئے تو مختلف قسم کے الزامات لگا کر آقایان فرنگ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی اور ایک الزام یہ لگایا کہ اگر نت نئے حالات اور بدلتے ہوئے واقعات پر اسلام کی قدیم صورت کو باقی رکھا گیا۔ تو مسلم قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

دوسرا الزام یہ لگایا کہ شریعت اسلامیہ میں اگر صرف علماء ہی کو رائے دینے کا حق رہے تو اسلام میں بھی

برہمنیت اور پاپائیت کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

تجدد پسندوں کی رائے میں ترقی اور جمود کا مفہوم | جہاں تک پہلے الزام کا تعلق ہے۔ اس کی حقیقت صرف یہ ہے کہ یورپ زدہ مسلمانوں کی جو اپنی متاعِ دین کو فرنگی تقلید پہ قربان کر چکے تھے۔ یہ قدرتی خواہش ہوئی کہ اسلام میں لچک کے عنوان سے دین کی وہ تمام اقدار ــــ کر دی جائیں ــــ میں میل نہیں کھاتیں ــــ یورپ کی زندگی میں اسلام قرار پائے۔

خس و خاشاک کی طرح ہر رو میں بہ جانے والا یہ گروہ یورپ کی زندگی سے متاثر ہوا اور اسلام سے بیزار۔ اس گروہ کے کچھ لوگ تو علی الاعلان اسلام کو چھوڑ ہی بیٹھے اور کچھ لوگ یہ جرأت تو نہ کر سکے مگر دل و دماغ مغربی رہا۔ اور اسلام میں رہ کر اسلام کی صورت مسخ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

اسلام ابن الوقت نہیں بلکہ ابو الوقت ہے | گویا ان کے ذہنوں میں اسلام ایک "ابن الوقت" ہے جو اقتدار میں آنے والے نظریہ ہائے حیات کے ساتھ ساتھ اپنے حقائق اور اپنی قدریں بدلتا رہتا ہے۔ اور مذہب کی ترقی دراصل اس "ابن الوقتی" کا نام رکھا گیا ہے حالانکہ اسلام ابن الوقت نہیں ہے بلکہ "ابو الوقت" ہے جو زمانے کے رخ کو تبدیل کرتا ہے اور تہذیب و تمدن کی قدریں خود قائم کرتا ہے۔ نہ وہ کسی کی تقلید کرتا ہے اور اس میں نہ کسی قوم کی تہذیب و تمدن کا پیوند لگ سکتا ہے۔ تجدد پسندوں کی اس جماعت کو جب اللہ کے ابدی دین کے مسخ کرنے میں ناکامی ہوئی تو ترقی کے مسدود ہو جانے اور اسلام میں جمود پیدا ہو جانے کا الزام لگانا شروع کر دیا۔ اگر ترقی و حرکت اس قسم کی تبدیلی کا نام ہے تو بے شک اسلام غیر کی اور ترقی ناپذیر مذہب ہے۔

آں چہ فخر تست آں ننگِ من است

ترقی کا حقیقی مفہوم | اسلام کی ترقی کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ یہ درخت اپنی اصل پر قائم رہ کر پھلے پھولے اور برگ و بار لائے، نہ یہ کہ اس کی شاخوں سے لے کر جڑوں تک دوسرے مذاہب اور تہذیبوں کی پیوندی قلمیں لگا کر سرے سے اس کی صورت ہی کو مسخ کر دیا جائے بلکہ درخت کی اصلیت ہی باقی نہ رہے۔

علماء پر تنقید کا مقصد وحید | دوسرے الزام کا حاصل ہے کہ مغربی تعلیم نے جب دین اور حاملینِ دین

کا احترام دلوں سے مٹا دیا تو ان کو حسن بصری۔ غزالی۔ رازی حتیٰ کہ خلفائے راشدین اور پیغمبر اسلام کی پیروی کرنے میں بھی عار محسوس ہونے لگی۔ اور یورپ کے مصنفین کی لکھی ہوئی تواریخ اسلام پڑھ کر اسلام کی ان تمام شخصیتوں پر مغربی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے اس طرح گھناونی تنقیدیں کیں کہ کسی طرح مسلمانوں میں یہ شخصیتیں قابلِ تقلید نہ رہیں۔ اور علماء اسلام کو مجروح کرنے کا مقصد وحید یہ تھا کہ اب علماء سے صرف نظر کر کے ان تجدد پسندوں کو غزالی و رازی کی جگہ نصیب ہو جائے۔ جو اسلام کی قدروں کو یورپ کے نظامِ زندگی میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں اتنا شعورِ دینی اور احساسِ مذہبی موجود تھا۔ اور ہے کہ انہوں نے ان تمام تخریبی پروپیگنڈہ کے باوجود دینی راہ نمائی انہیں سے حاصل کی۔ جو ماہرین علوم شریعت اور جو باعمل و متقی تھے۔ اور یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام فنی مسائل میں ماہرین ہی سے رجوع کیا جاتا ہے اور یہ حق نسلی و قبیلہ جاتی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ عقل کی بنیاد پر ہے۔

علماء کی طرف رجوع پاپائیت کی بنا پر نہیں فرنگی اور مغرب زدہ مسٹروں کے غیر فنی اجتہاد اور افکار کو جب قوم نے قابلِ التفات اور در خورِ اعتنا نہیں سمجھا تو انہوں نے علماء کے خلاف یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ علمائے اسلام میں برہمنیت یا پاپائیت پیدا کر دی ہے کہ دین میں صرف انہیں کی رائے معتبر ہو اور کسی کو دخل دینے کی اجازت نہ ہو۔ حالانکہ کتاب و سنت کو نقل کرنے کا حق علماء کو کسی نسلی امتیاز پر نہیں ہے۔ بلکہ علما کسی قبیلہ یا نسل کا نام نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص عالم ہے جس نے علوم دینیہ کی تحصیل میں عمر کا ایک معتد بہ حصہ صرف کر کے علمی مہارت حاصل کی ہو۔ یہ استحقاق محض علم و تجربہ کی بنیاد ہے۔ بالکل اس طرح جیسے تعزیرات ملکی کی دفعات کے تبلانے اور تشریح کرنے کا حق صرف وکیل اور بیرسٹر کو ملا ہے۔ ظاہر ہے کہ وکیل کوئی قبیلہ نہیں ہے بلکہ اس نے علمِ قانون حاصل کیا ہے۔ نسخہ لکھنے اور علاج کرنے کا حق صرف ڈاکٹر کو حاصل ہے اور جو شخص علم قانون حاصل کرے وہ بیرسٹر اور وکیل ہے۔ اسی طرح جو شخص بھی علم دین اور علم شریعت حاصل کر لے وہ عالم دین ہے خواہ وہ کسی قبیلہ اور کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ یہانتک کہ مولانا عبید اللہ سندھی جو نسلاً سکھ تھے۔ پہلے مسلمان ہوئے پھر انہوں نے علم دین حاصل کیا اور اس سرزمین

کے اب وہ مشہور عالم ہوئے۔ اگر ہمارے دیباچہ نگار بھی علم دین کی تحصیل میں عمر کا ایک حصہ صرف کرتے تو وہ بھی اس امر کے حقدار ہوتے لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ جہلا اور غیر ماہرین شریعت کے اجتہاد کو اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں اور مقصد ہے اللہ کے دین کو تبدیل کرنا

ایں خیال است و محال است و جنون

اسلام میں ترمیم و تصرف دنیا میں اس سے زیادہ ظلم کی اور کیا بات ہو گی کہ جنہوں نے عمر بھر قرآن کی عبارت کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھا جو عربیت کے نام سے بھی ناآشنا ہیں۔ اور پھر عربیت کے علاوہ قرآن فہمی کے لیئے جتنے علوم کی ضرورت ہے اس سے بھی نابلد ہیں مگر رازیؒ و غزالیؒ۔ ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ کے اجتہاد کو غلط ٹھیرا کر اپنے اجتہاد کو منوانا چاہتے ہیں۔ گویا دونوں الزاموں کا ماحصل یہ ہے کہ فرنگی طبقہ کی طرف سے تبدیل دین کی تمام تمناؤں کا جو خون علما کی بدولت ہوا یہ الزام صرف اس کا انتقام ہے۔ اسلام میں نہ جمود پیدا ہوا اور نہ برہمنیت و پاپائیت قائم ہوئی۔ دنیا میں آج تک کوئی ایسا جزئی واقعہ پیش نہیں آیا جس کو شریعت یا ماہرین شریعت نے اس لیئے حکم لگانے سے گریز کیا ہو کہ ابھی اسلام نے یہاں تک ترقی نہیں کی ہے جہاں تک ترقی کر کے حالات کا ظہور ہونے لگا ہے۔ خواہ وہ کسان و زمیندار کے مراسم ہوں۔ یا سرمایہ دار اور مزدوروں کے تعلقات گذشتہ تین صدیوں میں انحطاط کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اسلام آپ کے دستِ تصرف میں نہیں آیا بلکہ انگریزی اور انگریزوں کے مدد سے جس قدر تصرف آپ نے اسلام میں کیا ہے۔ اور قبضہ کرنے کے لیئے جو کچھ کر رہے ہیں وہ ہی اسلام کی راہ میں اصل رخنہ ہے۔ اور اس نے دین کی حقیقی روح سے مسلمانوں کو محروم کر دیا ہے۔ پیدا شدہ واقعات کی بوقلمونیوں میں اسلام نہ محض تماشائی ہے اور نہ مقلد بلکہ اسلام خود اپنی جگہ ایک حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی اپنی امتیازی خصوصیت ہے دیباچہ نگار اسلام کو حالات کی سواری بنا دینا چاہتے ہیں جو اسلام دشمنی کی بدترین مثال ہے

حدیث بے خبراں ہے تو بازمانہ بساز زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ ستیز

کمیشن کا قرآنی مبلغ علم دیباچہ میں ایک عنوان قائم کیا گیا ہے کہ:۔

اسلام ایک ترقیاتی مذہب ہے۔

گذشتہ سطور میں عرض کیا جاچکا ہے کہ احکام اسلام ابدی ہیں۔ لایزال ہیں۔ دنیا خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے ہر دور اور ہر زمانے کے لئے اپنی موجودہ شکل میں رہبری کے لئے کافی ہیں۔ اور آسمانی مذاہب میں اسلام خود ایک ترقی یافتہ صورت میں معیاری دین ہے۔ معیار کے مطابق حالات کو بنایا جاتا ہے اور حالات کی وجہ سے معیار کو بدلنا احساس کمتری ہے۔ باقی عدل و انصاف آفاقی علم، عالم گیر تخیل۔ انسانی تعلقات اور نصب العین ہر گونہ نشوونما وغیرہ کو جو اس کے بنیادی اصولوں کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہ ایسے عمومی ہیں کہ ہر مذہب یہی دعوے کر سکتا ہے۔ اسلام کی ہمہ گیری اور روح و جسم دین و دنیا سب پر حاوی ہونے کے حق میں قرآن پاک کی یہ آیت پیش کی گئی ہے والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل (سورہ رعد) حالانکہ یہ آیت قرابت داری سے متعلق ہے۔ اصل مقصد کے لئے اور آیات موجود ہیں۔ لیکن اس حوالے سے کمیشن کا علم قرآن اور تطبیق آیات کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسلام کو اپنے خیالات کے سانچے میں ڈھال رہے ہیں دیباچہ میں کہا گیا ہے کہ کمیشن اپنے دائرہ عمل کے مطابق اسلام کے بنیادی اصولوں سے باہر جا ہی نہیں سکتا۔ اور نہ اس کا کوئی ایسا ارادہ ہے لیکن جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے کمیشن اس ادعا کے باوجود مقررہ حدود سے تجاوز کر گیا ہے اور اس نے موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اسلام کو اپنے خیالات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔

اگر ان کے بقول اسلام میں بہت کچھ رد و بدل ہو گیا ہے اور اسے پھر قرآن و سنت کی اصلی روح کے مطابق کرنے کی ضروریات ہے یا یہ کہ وہ اجتہاد کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں تو بالکل بجا و درست سہی۔ مگر اس سے یہ نتیجہ کہاں نکلتا ہے کہ خود کمیشن بھی مجتہد بن کر اسلام کی قطع و برید شروع کر دے۔ آخر یہ حق اس کمیشن کو کس حیثیت سے حاصل ہوتا ہے؟

شریعت اسلامیہ کے چار ماخذ کا مفہوم دیباچہ نگار نے شریعت اسلامیہ کے چار ماخذ کا اعتراف کرتے ہوئے یہ دعوے کیا ہے کہ کمیشن کی سفارشات چاروں میں سے کسی نہ کسی کے تحت ضرور ہوں گی۔ مگر چار ماخذ سے استدلال کرنے کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے بلکہ چاروں میں ایک ہی قسم کی ترتیب ضروری ہے اور ان

چاروں کا ماخذ ہونا قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

(۱) قرآن ۔ (۲) سنت ۔ (۳) اجماع (۴) قیاس۔

یعنی نمبر ۲ سے اسی انداز کا استدلال ہو سکے گا جو کسی قطعی اور صریح حکم (ظاہراً و باطناً) کے خلاف نہ ہو۔ اور حدیث کا خلاف قرآن ہونا فقہا ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس میں ہر شخص کی رائے معتبر نہیں۔ حدیث مشہور و متواتر سے نص کا مفہوم متعین کرنا درست ہے۔

نمبر ۳ اس وقت معتبر ماخذ ہوگا جب اس کے لئے قرآن یا حدیث سے کوئی سند موجود ہو۔ نمبر ۴ بھی اس وقت قابلِ اعتبار ماخذ ہوگا جب کہ اپنے تینوں مذکورۃ الصدر کے خلاف نہ ہو۔ گویا نمبر ۴ اول کے تینوں کے موافق ہوگا۔ اور نمبر ۲ نمبر ۱ کے موافق۔ پس قیاس خلاف اجماع کے نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی مسئلے پر متقدمین کا اجماع ہو چکا ہے متاخرین کو اس کے خلاف قیاس کا حق نہیں۔

استحسان کا غلط مطلب | دیباچہ نگار نے استحسان کو نہ معلوم کیا سمجھا ہے۔ غالباً وہ اس کا مطلب یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جو چیز عام طور سے مستحسن سمجھی جائے اس کو جائز قرار دیا جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے استحسان بھی قیاس کی ایک قسم ہے جس کے لئے کسی نص سے مؤید ہونا ضروری ہے۔ جس طرح قیاس ذاتی رائے کا نام نہیں بلکہ کتاب و سنت کی دلیل سے جزئیات مسائل سمجھنے کا نام ہے اسی طرح استحسان بھی قیاس کی ایک قسم ہے جس کو "قیاس خفی" کہا جاتا ہے۔

قرآن کی حیثیت پر زبردست حملہ | بہر حال یہ کمیشن کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ وہ ان بنیادی اصولوں کے مطابق بھی کسی قسم کا قیاس یا اجتہاد کر سکے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اجتہاد کی ضرورت بتا کر سفارش کر سکتا تھا نہ کہ خود اجتہاد کی مسند پر بیٹھ جائے۔

دیباچے میں از روئے قرآن پاک مذہب کی تعریف یہ کی گئی ہے "فطرت کے ایسے قوانین اور زندگی کے ایسے بنیادی اصولوں کا اعتقاد جو تبدیل نہیں ہوتے" پھر کہا گیا ہے کہ "لوح محفوظ سے انہی کی ابدیت مراد ہے اور وہ محکمات ہیں" اول تو محکمات و متشابہات کے فرق کا کوئی معیار نہیں بتایا گیا اور اگر یہ فرق بھی کیا جائے تو کیا صرف محکمات لوح محفوظ میں ہیں اور متشابہات نہیں ہیں؟ یہ قرآن کی حیثیت پر

ایک زبردست حملہ ہے۔

اس طرح دین اور شریعت کو ایک کہا گیا ہے اور فقہ کو اس سے الگ۔ فقہ اور شریعت الگ سہی لیکن دین اور شریعت کو کس لحاظ سے ایک کہا گیا ہے۔

غرضیکہ کس کس بات کو لیا جائے یہ تمام دیباچہ انتشارِ خیالات، تضاد بیانی، غلط فہمی، اور دیدہ دلیری کا ایک عجیب و غریب مرقع ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس میں کمیشن کے دائرہ عمل کی حدود سے بالکل تجاوز کیا گیا ہے۔ لہذا یہ دیباچہ اس قابل ہی نہ تھا کہ سرکاری رپورٹ میں شامل کیا جاتا۔ اور اب بھی یا تو اس کو سرکاری طور پر رپورٹ سے خارج کر دیا جائے یا پھر اس پر میری یہ تنقید ساتھ شائع کی جائے تاکہ اس دیباچے کو کمیشن کی متفقہ رائے سمجھنے کی غلط فہمی پیدا نہ ہونے پائے۔

دیباچہ اور رپورٹ پر بحیثیت مجموعی تبصرے کے بعد مولانا نے کمیشن کے غیر مجاز سوالنامہ کے جواب دیئے ہیں جن کو بخوف طوالت حذف کر کے آخر میں مولانا کے ارشادات کا آخری حصہ درج ذیل ہے۔

حرفِ آخر

آخر میں پھر اس اہم بات کو دہرا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کمیشن کو موجودہ قوانین اور عورتوں کی مشکلات کا مطالعہ کرنے کے بعد ان قوانین کو مطابق شریعت بنانے کی سفارش کرنا تھی۔ نہ یہ کہ اپنے تصورات پیش کر کے خود شریعت میں اصلاح و اجتہاد کی راہ کھولنا اگر بالفرض کسی نئے اور پیچیدہ مسئلہ میں اجتہادی قیاس کی ضرورت ہو تو کمیشن اس امر کی صرف نشان دہی کر سکتا ہے۔ خود مسند اجتہاد پر بیٹھ کر اس کے حل کرنے کا اسے کسی حیثیت سے بھی حق حاصل نہیں۔

اس سلسلے میں خود کمیشن کے دائرہ عمل مقرر کرنے میں بھی ایک صحیح غلطی موجود ہے۔ کہ اسلام کے بنیادی احکام کے بجائے اسلام کے بنیادی اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اصولوں کا لفظ فکری انتشار کے لئے غیر محدود میدان پیدا کرتا ہے۔

ایک اور بنیادی امر یہ پیش نظر رہنا چاہیئے کہ ہمارے ازدواجی اور عائلی مسائل سب کے سب شریعت

پر مبنی ہیں۔ قانون جو بھی بنے اسے شریعت کے تابع ہونا چاہیئے۔ اگر قانون کی خاطر شریعت میں ردوبدل کی کوشش کی جائے گی تو گویا قانون کو شریعت پر فوقیت دی جائے گی اس سے ازدواجی تعلقات قانوناً جائز ہو جائیں تو ہو جائیں لیکن جب تک وہ شریعت کے بالکل مطابق نہ ہوں گے از روئے شرع حرام رہیں گے۔

سب سے بڑی خوبی جو اسلامی قوانین ازدواج میں ہے۔ وہ یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ کی حکمت بالغہ کے تحت مرد عورت اور اولاد سب کی فطری ضروریات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ان میں سرِمُو بھی فرق ڈالا جائے گا تو فطری توازن بگڑ جائے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک مصلحت کا خیال رکھا جائے گا تو کوئی دوسرا مقصد فوت ہو جائے گا۔ اور ایک مفسدہ کا بخیالِ خویش سدِ باب کیا جائے گا۔ تو کوئی دوسرا مفسدہ رونما ہو کر کنبے اور معاشرے میں خلل پیدا کر دے گا۔ لہٰذا فرد و ملت کی بھلائی اسی میں ہے کہ وحی الٰہی کے قانون کا پابند رہے اور اس میں اپنی طرف سے رخنہ اندازی کی صورت پیدا نہ کرے۔

اسلامی نظامِ معاشرت ایک مکمل نظام ہے اس کو قبول کرنا ہوگا تو بھی تمام و کمال اور رد کرنا ہے تو بھی مکمل طور پر یومنون ببعض ویکفرون ببعض پر عمل کرتے ہوئے اس نظام کے کچھ اجزا لے لینا اور کچھ اجزا چھوڑ دینا کسی طرح ممکن نہیں۔ کمیشن کی یہ رپورٹ اس قسم کی ایک نازیبا کوشش ہے اس لئے شرعاً عقلاً ہر لحاظ سے کلی طور پر مسترد کر دینے کے قابل ہی ہے۔ میری سفارش

(بہ شکریہ الارشاد جدید)

دو نایاب کتابیں

(صرف ایک ایک نسخہ)

علامہ محمد طاہر فتنی کی مشہور کتاب مجمع بحار الانوار مکمل تین جلد لغاتِ حدیث کا دائرۃ المعارف

قیمت :- -/-/۱۲۵ روپے

ابجد العلوم علامہ نواب صدیق حسن صاحب کی مقبول ترین کتاب۔ قیمت مجلد:- -/-/۷۰ روپے

المکتبۃ السلفیۃ۔ شیش محل روڈ۔ لاہور